مقالات

واردھا کی تعلیمی اسکیم اور مسلمان

ایک عظیم الشان خطرہ سے آگاہی

(۲)

(منقول از رسالہ طلوع اسلام دہلی)

اس تفسیر کا اثر آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ وہی چیز جو کبھی دین الٰہی کی شکل میں سامنے آئی تھی، پھر وہ برہموسماج کے رنگ میں نمودار ہوئی، او جسے اب مہاتما گاندھی تعلیمی نصاب میں پیش کر رہے ہیں، لفظاً لفظاً وہی ہے جو مولانا آزاد نے اپنے دورِ قوم پرستی کی تفسیر میں بیان فرمائی ہے یعنی تمام مذاہب اپنی بنیادی سچائیوں کے اعتبار سے یکساں ہیں، فرق شریعتوں میں ہے اور شریعتیں کچھ اہمیت نہیں رکھتیں۔ اس بات کے اعلان کے لئے مہاتما جی نے اتنے عرصہ پیشتر سے زمین ہموار کرنی شروع کر دی تھی۔ چنانچہ ۱۹۳۱ء میں جب یہ تفسیر شائع ہوئی ہے تو مہاتما گاندھی نے جامعہ ملیہ اسلامیہ میں ایک تقریر فرمائی اور اس میں کہا کہ مجھے ایک عرصہ سے خیال تھا کہ اسلام ایسا تنگ نظر مذہب نہیں ہو سکتا کہ وہ نجات وسعادت کو اپنے پیروؤں تک ہی محدود رکھے اور سچائیاں صرف اپنے اندر ہی بتلائے۔ لیکن مجھے اس بات کی سند کہیں سے نہ ملتی تھی۔ اب جو مولانا آزاد نے تفسیر شائع کی ہے تو مجھے اپنے

اس خیال کی سند مل گئی ہے کہ اسلام تمام مذاہب میں یکساں سچائیوں کا مدعی ہے۔ لہذا ہم نے اس تفسیر کے متعلقہ ٹکڑوں کا (ہندی) میں ترجمہ کرکے عام شائع کرایا ہے[1]"۔

اس کے بعد پانچ چھ برس تک مختلف قوم پرست مسلمانوں کی طرف سے اسی اسلام کا اعلان ہوتا رہا۔ ان کی طرف سے مضامین شائع ہوتے رہے۔ تقریریں ہوتی رہیں۔ جب یوں میدان صاف ہوگیا تو اب مہاتماجی نے اس نظریہ کو اپنی تعلیمی اسکیم میں شامل کردیا۔ اگر اتنی زمین ہموار کئے بغیر پہلے ہی یہ نظریہ مہاتماجی کی طرف سے پیش ہوتا تو مسلمان بدک جاتے لیکن مہاتما نے نہایت حُسنِ تدبر سے اپنی مخصوص شاطرانہ چالوں سے مسلمانوں کے ذہن کو اس کے قبول کرنے کے لئے تیار کرایا، اور اس کے بعد اس کا اعلان کیا۔ نتیجہ اس کا یہ ہے کہ آج خود مسلمان اس اسکیم پر اَحْسَنْتَ و مَرْحَبا کے نعرے لگا رہے ہیں۔

آپ کے علماء حضرات، جو کل تک آمین بلند و آہستہ کہنے پر ایک دوسرے کو کافر بناتے رہتے تھے، جن کے نزدیک شریعت کے جزئیات تک کی اتنی اہمیت تھی کہ وہ ٹخنوں سے نیچے پاجامہ پہننے والے کو نجات و سعادت سے محروم قرار دیتے تھے، آج قوم پرست بننے کے بعد وہ اسلام کی اس جدید تعریف (Definition) کی رو سے اس شخص کو جسے کل تک وہ "کافر و مشرک" کہا کرتے تھے، اسی طرح نجات و سعادت کا مستحق قرار دیتے ہیں جس طرح مسلمان کو، بلکہ مسلمان کو وہ کھلی ہوئی گمراہی میں سمجھتے ہیں کہ یہ اپنی "مذہبی گروہ بندی" الگ قائم رکھنا چاہتا ہے، اور ہندو ان کے نزدیک صحیح اسلام کا پیرو ہے جو ان گروہ بندیوں کو توڑ کر ایک متحدہ قومیت بنانا چاہتا ہے۔ ذرا خدا کے لئے پوچھئے کسی عالم سے، پوچھئے کسی فقیہ سے، پوچھئے کسی مولانا سے، پوچھئے کسی امیر شریعت سے کہ کیا فی الواقع اسلام وہی ہے جو مولانا آزاد نے اپنی تفسیر میں پیش کیا ہے؟ کیا ہندو مت اور اسلام واقعی

[1] مسٹر مہادیو ڈیسائی نے ہمیں اطلاع ملی ہے کہ مولانا آزاد کی اس تفسیر کا ہندی ترجمہ بابو راجندر پرشاد (پٹنہ) سے مل سکتا ہے۔
"طلوع اسلام"

اپنی بنیادی سچائیوں کی رو سے بالکل یکساں ہیں؟ کیا مذاہب کے "ظواہر و رسوم" فی الحقیقت بیکار و مہمل ہیں کہ بچوں کو ان کی تعلیم دینا انہیں اصل دین سے بیگانہ کر دینا ہے؟ کیا واقعی شریعت محمدیہ کو نجات و سعادت میں کوئی دخل نہیں؟ پوچھیئے اُن سے کہ آج اُن کی اُس حمیت دینی کو کیا ہوا جو شریعت سے ذرا اختلاف کو برداشت نہ کر سکتی تھی؟ دریافت کیجئے اِن سے کہ ان کے فتاوی کی اُن مُہروں کو کون چرا کر لے گیا جو "ظواہر و رسوم" کے اختلافات کے فیصلوں کے لئے ہر وقت سجدہ ریز رہا کرتی تھیں؟ کس نے ان کے قلموں کی سیاہیاں خشک کر دیں؟ کیا چیز آج اُن کے گلوگیر ہوئی کہ یہ سب کچھ دیکھتے ہیں لیکن نہ کچھ لکھ سکتے ہیں نہ بول سکتے ہیں؟-

آپ ایک دفعہ یہ تسلیم کر لیجئے کہ سچائیاں جو اصلِ دین ہیں ہر مذہب میں یکساں ہیں، اور شرائع جن میں اختلاف ہے وہ کچھ اہمیت نہیں رکھتیں، پھر اپنے آپ سے سوال کیجئے کہ یہ جو آپ کے علماء حضرات منبروں اور اسٹیجوں پر اسلام کی خصوصیات پر خطبے اور لکچر دیتے ہیں، ان کے کیا معنی رہ جاتے ہیں؟ کیا یہ سب کچھ، بقول مہاتما گاندھی صرف اس لئے کیا جاتا ہے کہ آپ محض سیاسی اغراض کی خاطر غیر مسلموں کو مسلمان بنانے کی کوشش کرتے ہیں؟ پھر پوچھیئے کہ جب آپ کے بچوں کو کامل سات برس تک جبری طور پر اس عقیدہ کی تعلیم دی جائے گی تو ان کے نزدیک اسلام میں کون سی کشش باقی رہ جائے گی جس کی خاطر وہ اِس سے متمسک رہیں؟ وہ بچہ جب ہندوؤں کو بھی اسی قسم کی سچائیوں کا حامل سمجھے گا، جس قسم کی سچائیاں قرآنِ کریم میں ہیں، تو وہ پھر مسلمان رہنے پر اصرار کیوں کرے گا؟ اُس ہندو قوم میں شامل ہونے سے کیوں احتراز کرے گا جس کے پاس مسلمانوں سے کہیں زیادہ دھن دولت بھی ہے اور عالمگیر سچائیاں بھی؟ لاکھوں بھنگی اور چمار (اچھوت) عیسائیوں کی مکتی فوج میں اس لئے شامل ہو گئے کہ اُن کے اپنے مذہب میں انہیں کوئی تفوق نظر نہیں آتا تھا اور جس مذہب کی انہیں دعوت دی جاتی تھی وہ حاکم قوم کا مذہب تھا۔ کیا یہی چیز مسلمان بچوں کے ساتھ بھی نہ ہوگی؟ سوامی شردھانند

کی تحریک شدھی تو یونہی بدنام ہوگئی کہ وہ کھلے بندوں نام لے کر شدھی ہوتی تھی۔ مہاتما جی اس وقت سمجھتے ہوں گے کہ کیا دورِ جہالت کا سا طریق عمل اختیار کیا گیا ہے۔ مسلمانوں کو شدھ کرنے کا طریقہ اس سے جداگانہ ہے۔ انھوں نے اُسی زمانہ سے خاموش شدھی کی اسکیم کا خاکہ تیار کر لیا جس کا سنگِ بنیاد مولانا آزاد کے مقدس ہاتھوں سے رکھوایا گیا، اور اب شیخ الجامعہ ملیہ اسلامیہ کے پاک ہاتھوں سے اس پر عمارت تیار کرائی جا رہی ہے!۔

کہا جا سکتا ہے کہ مسلمان اپنے بچوں کو مذہبی تعلیم نج کے طور پر دلائیں۔ لیکن ذرا اس پر بھی غور فرمایئے کہ اسکول میں تو اسے پڑھایا جائے گا کہ تمام مذاہب اصولی طور پر یکساں ہیں اور گھر پر اسے پڑھایا جائے گا کہ اسلام دیگر مذاہب سے بلند و بالاتر مذہب ہے بلکہ خدا کا سچا مذہب ہے۔ یہی نہیں بلکہ پھر اسے گھر پر شریعت کی تعلیم بھی دی جائے گی، اور یہ وہ تعلیم ہوگی جس کی نسبت مہاتما جی فرما چکے ہیں کہ تمام لڑائی جھگڑوں کا باعث ہی یہ تعلیم ہے۔ تو یہ دونوں باتیں ساتھ ساتھ کیسے چلیں گی؟ یہ بھی واضح رہے کہ اسکولوں میں مذہبی تعلیم کتابوں کے ذریعے سے نہیں ہوگی اس لئے کہ مہاتما جی کو خوب علم ہے کہ وید کسی طرح قرآن کے سامنے لائے ہی نہیں جا سکتے۔ تعلیم ہوگی استادوں کی زندگی کے ذریعہ سے۔ اور ظاہر ہے کہ کانگریسی حکومت کے مقرر کردہ استاد کوئی ڈاکٹر اشرف کوئی جوش ہی ہوں گے جہاں وزیر تعلیم ڈاکٹر سید محمود جیسے ہوں جو مسلمانوں کا سا الگ نام رکھنا بھی ہندی قومیت کے خلاف سمجھتے ہیں۔[1] وہاں کے استاد جس ڈھنگ کے ہوں گے وہ ظاہر ہے۔

بابِ دوم

فلسفۂ زندگی

مذہب کے متعلق تو آپ دیکھ چکے، اب فلسفۂ حیات کو لیجئے۔ مسلمانوں کے نزدیک فلسفۂ زندگی مذہب سے الگ

---

[1] (ملاحظہ ہو سوراجی اسلام۔ مطبوعہ طلوعِ اسلام بابت جون)

شئے نہیں۔ یوں سمجھئے کہ مذہب جس رنگ میں انسان کو رنگنا چاہتا ہے وہی اس کا فلسفۂ زندگی ہوتا ہے۔ ہندو یوگیوں کا فلسفۂ حیات اہنسا ہے، جس کے معنی عدم تشدد (Non-violence) کئے جاتے ہیں لیکن عدم تشدد سے اس کا صحیح مفہوم ذہن میں منتقل نہیں ہوسکتا۔ اس سے مفہوم وہ فلسفۂ زندگی ہے جو حضرت مسیحؑ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے یعنی جو ایک گال پر طمانچہ مارے تو دوسرا گال بھی سامنے کردو۔ ماحصل یہ کہ ہمیشہ مار کھائے جاؤ۔ لیکن سامنے سے ہاتھ نہ اُٹھاؤ۔ جب ہاتھ اٹھاؤگے تو وہ ہمسا ہوجائے گا۔ قوت وطاقت کا استعمال ہمسا ہے اور مار کھاتے جانے کا طرزِ عمل اہنسا ہے۔ یہ وہ فلسفہ ہے جس کے "اوتار" آج مہاتما گاندھی سمجھے جاتے ہیں۔ اور وہ اس فلسفہ کو انسانیت کی بہترین تعلیم قرار دیتے ہیں۔ واردھا اسکیم جس کے متعلق دعویٰ یہ ہے کہ اس کو مذہب سے کچھ علاقہ نہیں فلسفۂ زندگی کے اعتبار سے اس کی بنیاد اہمسا پر رکھی گئی ہے۔ چنانچہ رپوٹ زیرِ بحث میں سب سے مقدم "بنیادی اصول" کے ماتحت لکھا ہے کہ "ہمارے بچوں کو یہ سکھانے کی ضرورت ہے کہ اہنسا کا طریقہ ہمسا سے اچھا ہے"۔ (رپورٹ صفحہ ۱۱) پھر "سماج کے علم" کے عنوان میں درج ہے:-

"جن لوگوں نے قوموں کو آزاد کرایا ہے اور امن کے ذریعہ سے صلح حاصل کی ہے ان کی کہانیاں کورس کی کتابوں میں خاص طور پر ہونی چاہئیں۔ انسانوں کی زندگی سے ایسے سبق سکھانے چاہئیں جن سے اہنسا اور اس کے ساتھ کی خوبیوں کا ہمسا، دھوکے اور دغا سے اچھا ہونا ثابت ہو" (صفحہ ۱۱۹)

ہمسا یا اہنسا ہمیں دیکھنا ہے کہ کیا قرآن کریم کی رو سے، اسوۂ حسنہ کی رو سے، صحابہ کبارؓ کی حیاتِ مقدسہ کی رو سے، مسلمان کے لئے فلسفۂ زندگی یہی ہے، جس کی تعلیم جبراً ان کے بچوں کو دی جائے گی؟ اس میں شبہ نہیں کہ اسلام امن وسلامتی کا مذہب ہے، وہ خواہ مخواہ دوسروں کو ستانے کی تلقین نہیں کرتا بلکہ اسے بڑی سختی سے روکتا ہے، وہ اپنے بیگانے سب کی عزت، عصمت، جان، مال، مذہب کی حفاظت کرنا سکھاتا ہے اور اس کے لئے وہ برائی کو بھلائی سے روکنے کا سبق دیتا ہے۔ (اِدْفَعْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ)۔ لیکن اس کے نزدیک صرف اتنا حصہ فلسفۂ زندگی کا ایک شعبہ ہے۔ زندگی صحیح فطرتِ انسانی کی

مطابق نہیں ہوسکتی تاوقتیکہ اس عاجزی اور نرمی کے حصہ کے ساتھ دوسرا حصہ، اور نہایت اہم حصہ، بھی شامل نہ ہو۔ یعنی وہ کہتا ہے کہ دنیا میں عفو، درگذر، نرمی، لینت، رواداری بڑے عمدہ اصول ہیں لیکن جب ایسا وقت آجائے کہ شریر النفس انسان دوسروں کی شرافت سے ناجائز فائدہ اٹھائیں اور کمزوروں اور ناتوانوں پر خدا کی یہ وسیع و عریض زمین تنگ کردیں، جب ایسا وقت آجائے کہ نرمی اور عاجزی، عفو اور درگذر سے ظالم کی سرکشی، اس کا ظلم و استبداد اور بڑھتا چلا جائے، تو اس وقت یہ ضروری ہوجاتا ہے کہ دنیا میں عدل و انصاف قائم رکھنے کے لئے، قوانینِ الٰہی کی محافظت کے لئے، ظالم کے ظلم کو قوت سے روکو، اس کی سرکشی اور درازدستی کو پوری طاقت اور زور کے ساتھ کچل کے رکھدو اور اس کے تکبر و نخوت، اس کی فرعونیت اور نمرودیت کو چورچور کردو کہ اَلْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ۔ فتنہ و فساد، ظلم و استبداد، سرکشی اور طغیان، قتل سے کہیں زیادہ شر انگیز ہیں۔ جس انگلی پر ایسا ناسور ہوجائے جو ناقابلِ علاج ہو، اور اس کا زہر سارے جسم میں پھیل جانے کا اندیشہ ہو تو اس انگلی کا کاٹ کر پھینک دینا ہی عین مصلحت ہے۔ اگر آپ کو مظلوم کی حفاظت مقصود ہے تو ظالم کے ظلم کو ہر طرح سے روکنا ہوگا۔ اگر پُرامن انسانوں کی عزت، عصمت، جان، مال کا تحفظ مطلوب ہے، تو قاتلوں کو حوالۂ دار و رسن کرنا ہوگا، مجرموں کو سزائیں دینی پڑیں گی، عدل و انصاف قائم کرنے کے لئے محکمۂ عدالت ناگزیر ہے، اور محکمۂ عدالت کے قیام و بقا کے لئے شمشیر جگردار کا ساتھ ہونا بھی لاینفک ہے۔ کوئی قانون ایسا نہیں جو دنیا میں قوت کے بغیر نافذ العمل ہوسکتا ہو۔ قرآن کریم نے اسی حقیقتِ کبریٰ کو ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ
لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّ
مَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ

قَوِيٌّ عَزِيزٌ ۝ ۵۷/۲۵

"ہم نے اپنے رسولوں کو واضح دلائل کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتابیں یعنی قوانین عدل وانصاف نازل کئے تاکہ لوگ اپنے ٹھکانے پر اعتدال سے رہیں۔ اور (اس کے ساتھ ہی) ہم نے فولادی شمشیر (لوہے) کو بھی نازل کیا جس میں سخت قوتوں (کے راز) پوشیدہ ہیں اور لوگوں کے لئے (اور بھی) فائدے ہیں، تاکہ اللہ دیکھ لے کہ کون اس کی اور اس کے رسولوں کی بلا دیکھے مدد کرتا ہے۔ یقیناً اللہ بڑی قوت والا زبردست (غالب) ہے۔"

حضرت علامہؒ فرماتے ہیں :۔

سوچا بھی ہے اے مردِ مسلماں کبھی تو نے ۔۔۔ کیا چیز ہے فولاد کی شمشیرِ جگر دار

اس بیت کا یہ مصرعِ اوّل ہے کہ جس میں ۔۔۔ پوشیدہ چلے آتے ہیں توحید کے اسرار

خدا کی کتاب۔ یعنی قوانین الٰہی کے ساتھ ساتھ تلوار بھی نازل ہوئی ہے کہ لوگوں کو ٹھیک اپنے ٹھکانے پر رکھا جائے۔ جاوید نامہ میں حضرت علامہؒ، خاتونِ محترمہ شرف النساء کے متعلق تحریر فرماتے ہیں کہ اس نے وصیت کی تھی کہ اس کی قبر پر تلوار اور قرآن رکھ دیا جائے کہ :۔

ایں دو قوت[1] حافظ یک دیگر اند ۔۔۔ کائناتِ زندگی را محور اند ؂

مومناں را تیغ با قرآں بس است ۔۔۔ تربتِ ما را ہمیں ساماں بس است

آیت کے اخیر میں فرمایا کہ مسلمانوں کا خدا قویٌّ عزیز ہے۔ بے انتہا قوتوں کا مالک اور غالب وزبردست ہے، اس لئے اس کے رنگ میں رنگی ہوئی قوم بھی قوت وسطوت کی مالک ہونی چاہئے۔

[1] تلوار قرآن کریم کی حفاظت کرنے والی ہے، یہ تو ظاہر ہے لیکن نکتہ بلیغ یہ ہے کہ قرآن کریم بھی تلوار کا محافظ ہے۔ تلوار کو اس محافظ کے بغیر آزاد چھوڑ دیا جائے، تو وہ تلوار چنگیز خاں، ہلاکو، کیزر، ہٹلر اور مسولینی بن جاتی ہے لیکن جب اس کے ساتھ قرآن محافظ ہو تو یہ عمرؓ و خالدؓ کی صورت اختیار کرتی ہے، اور دونوں میں فرق ظاہر ہے۔

اہمسا کی پرستار تو اس خدا کی قوم ہو سکتی ہے جو اس درجہ بے بس اور مجبور ہو کہ اس پر کوئی پتھر بھی پھینک دیا جائے تو وہ ہاتھ نہ اٹھا سکے۔ مٹی کے بت اور ایک خدائے حیّ وقیوم میں جتنا فرق ہے، اتنا ہی فرق اہمسا کے "اوتار" اور مرد مجاہد میں ہے۔ مسلمان کا ہیولیٰ تو اہمسا اور ہمسا دونوں سے مل کر بنتا ہے

قہاری وغفاری وقدوسی وجبروت یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان!

نبی اکرمؐ نے عفو و درگذر کا جو نمونہ اپنی حیاتِ مقدسہ میں پیش کیا اس کی نظیر دنیا کے کسی بڑے سے بڑے مُدّعیِ امن وصلح کے ہاں نہیں مل سکتی۔ لیکن اس کے ساتھ ہی جب قوت اور طاقت کے استعمال کی ضرورت پڑی تو کم وبیش (ستر) لڑائیوں (مغازی وسرایا) میں خود شمشیر بدست شریک ہوئے یا ان قدوسیوں کی جماعت کو روانہ فرمایا جو دنیا میں انسانیت کی معراجِ کبریٰ کے مظہر اتم تھے۔ وہ مسلمان جن کے متعلق قرآنِ کریم کا ارشاد ہے :۔

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ۔ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ ۝ ۹/۱۱۱

بے شک اللہ نے مومنین سے بعوض جنت اُن کی جانیں اور اموال خرید لئے ہیں اور (اس کا عملی ثبوت یہ ہے کہ) وہ لوگ اللہ کے راستے میں (میدانِ جنگ میں) لڑتے ہیں۔ سو یا تو دشمن کو تہِ تیغ کرکے (فاتح ومظفر لوٹتے ہیں) یا وہیں خاک وخون میں غلطاں ہو کر رسم شہادت کی بنیاد ڈالتے ہیں"

مومن کی تو شان یہ ہے کہ اگر دنیا قوانینِ الٰہی کے مطابق نہ چلے تو اس دنیا کو زیر وزبر کردے، اس زمین وآسمان کو الٹ دے، اس جہانِ آب وگل کو درہم برہم کردے۔

گفتند جہانِ ما۔ آیا بتو می سازد گفتم کہ نمی سازد۔ گفتند کہ درہم زن

مومن دنیا میں پانی کی طرح ہر قالب میں ڈھل جانے کے لئے نہیں پیدا ہوا، بلکہ یہ تو دنیا کو اپنے خدا کے وضع کردہ قالب میں ڈھالنے کے لئے پیدا ہوا ہے۔ اگر وہ پانی ہے تو خود بخود اس کے

قالب میں ڈھل جائے گی، ور اگر لوہا ہے تو اسے یہ اپنے جلال کی آتشِ سوزاں میں پگھلائے گا، تا آنکہ وہ مائع بن کر اس کے قالب میں ڈھل جائے۔ یہ دنیا میں قوانینِ الٰہی کا نافذ کرنے والا ہے۔ اگر شریف النفس انسان نرمی اور محبت سے مان لیں، تو اس سے بڑھ کر مہربان کوئی نہ ہوگا۔ لیکن اگر سرکش اور ضدی انسان اس قانون سے بغاوت کرے تو اس جیسا سخت گیر کوئی نہ ہوگا۔ مومن وہ ہے کہ:-

جس سے جگرِ لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم
دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفان

مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰہِ ۭ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗۤ اَشِدَّاۗءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَاۗءُ بَیْنَھُمْ

اہنسا کا فلسفہ تو اُن کا ہے جو آسمان میں بجلی کڑکی تو اس کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو گئے، بادل گرجا تو اس کے سامنے سجدہ میں جھک گئے، سانپ دیکھا تو ڈنڈوت کرنے لگے، اپنے ہاتھوں سے بت تراشا اور اسے خدا بنا کر بیٹھ گئے۔ لیکن جو اس تمام کائنات کو مسخر کرنے کے لئے پیدا کیا گیا ہو، وہ اہنسا کا پرستار کیسے ہو سکتا ہے؟ (وَسَخَّرَ لَکُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَمِیْعًا)۔ اہنسا تو ان کا فلسفہ ہے کہ جنھوں نے جب سے آنکھ کھولی اپنے آپ کو دوسروں کا غلام ہی دیکھا۔ لیکن جو بارہ برس کے اندر چالیس ہزار شہر اور قلعے فتح کرنے والی قوم ہو، اُس کو صرف اہنسا سے کیا واسطہ؟ نبی اکرمؐ سے دریافت کیا گیا کہ مومن کی زندگی کیا ہے۔ فرمایا کہ جب جہاد ہو رہا ہو تو وہ میدانِ جنگ میں ہو۔ اور جب نہ ہو رہا ہو تو اس کی تیاری میں مصروف ہو۔ میدانِ جہاد کا نقشہ تو آپنے آیت مندرجہ صدر (وَیَقْتُلُوْنَ وَیُقْتَلُوْنَ) میں دیکھ لیا۔ تیاری میں مصروف رہنے کے متعلق ارشاد ہے:-

وَاَعِدُّوْا لَھُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَیْلِ تُرْھِبُوْنَ بِہٖ عَدُوَّ اللّٰہِ وَعَدُوَّکُمْ ... ؕ

"اور جس قدر قوت (وسامان) تم سے ہو سکے اُس سے اور پلے ہوئے گھوڑوں سے تم اپنے اور اللہ

کے دشمنوں (کے مقابلہ) کی تیاری رکھو تاکہ (اس قوت و شرکت سے) اُن پر تمہارا رعب قائم رہے۔"

کہئے کہ وہ قوم جس کا رازِ حیات ان احکام کے اندر پوشیدہ ہو، اُس کا فلسفۂ زندگی اچھا ہو سکتا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کا یہ فلسفۂ زندگی جس میں جمال کے ساتھ جلال کا عنصر بھی شامل ہے غیر مسلموں کے دل میں ہمیشہ سے کھٹکتا رہا ہے۔ کوئی ڈاکو کسی کوتوال کو اچھا نہیں سمجھ سکتا۔ اس لئے انھوں نے ہمیشہ یہ کوشش کی ہے کہ اس فلسفۂ زندگی کو گھناؤنا بنا کر دکھایا جائے، اس کی ایسی تصویر کھینچی جائے کہ جو دیکھے اس سے نفرت کرنے لگ جائے۔ عیسائی مستشرق ایک عرصہ تک اس کی نشر و اشاعت کرتے رہے ہیں (اور اب بھی کر رہے ہیں)۔ نتیجہ اس پروپیگنڈا کا یہ ہوا کہ غیر تو غیر، خود مسلمان بھی اس قوت و شوکت کے فلسفۂ حیات کو نفرت کی نگاہ سے دیکھنے لگ گیا۔ گذشتہ پچاس برس سے آپ ہندوستان کے مسلمانوں کو دیکھیے، بالعموم جہاد کے مسئلہ میں وہ کچھ ایسے جھینپے ہوئے سے نظر آئیں گے، ان کا کچھ ایسا (Apologetic Attitude) ہو گا کہ اوّل تو ان کی خواہش یہ ہو گی کہ کسی طرح قرآن کریم سے یہ آیتیں خارج ہی ہو جائیں تو اچھا ہے، لیکن چونکہ اس پر ان کا بس نہیں چلتا اس لئے وہ آیات کی ایسی مضحکہ انگیز تاویلیں کرتے ہیں جن سے کسی طرح یہ ثابت ہو جائے کہ یہ اس زمانے کے احکام ہیں جس میں ابھی دنیا اتنی "مہذب" نہ ہوئی تھی۔ وہ دورِ وحشت و بربریت تھا۔ یہ احکام وقتی تھے۔ اُس زمانے کے مخصوص حالات کے ماتحت عربوں کی اس جنگجو قوم کے مقابلہ میں اس قسم کے طرزِ عمل کی ضرورت پڑ گئی لیکن اب یہ تمام آیات "منسوخ" ہو چکی ہیں۔ اور اب جہاد صرف "اشتہار نویسی" اور "مناظرہ بازی" کا نام رہ گیا ہے۔ اسی پروپیگنڈے کی تکمیل کے لئے قادیان میں ایک "نبی" "مبعوث" کرایا گیا اور اس نے فیصلہ ہی کر دیا کہ جہاد بالسیف اب قطعاً ممنوع ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ○ ؎

ہو اگر قوتِ فرعون کی در پردہ مرید

قوم کے حق میں ہے لعنت وہ کلیم اللّٰہی

ایک مثال اس منظم سازش کے متعلق حضرت علامہؒ اپنی مثنوی اسرار و رموز میں تمثیلاً بیان فرماتے ہیں کہ کسی جنگل میں ایک شیر رہتا تھا۔ وہاں کی بھیڑیں جب اس سے تنگ آگئیں تو انھوں نے مل بیٹھ کر مشورہ کیا کہ اس آفت کا علاج کیا کیا جائے؟ ان میں جو سب سے زیادہ سیاستداں بھیڑ تھی اس نے کہا کہ دیکھو بھئی! اگر تم تمام بھیڑیں بھی اکھٹی مل جاؤ تب بھی ایک شیر نہیں بن سکتیں۔ لہذا اپنے آپ کو شیر بنانے کا خیال محض وہم ہے۔ البتہ کوشش یہ ہونی چاہیے کہ اس شیر کو کسی طرح بھیڑ بنا دیا جائے۔ چنانچہ اس بھیڑ نے گیروے رنگ کے کپڑے پہنے۔ ماتھے پر تلک لگایا۔ پاؤں میں کھڑاویں پہنیں۔ اور ایشور بھگتی، ایشور بھگتی کا منتر جپتی ہوئی شیر کی طرف چلی۔ شیر نے دیکھا کہ ایک دیوتا سروپ مہاتما چلا آرہا ہے۔ ڈنڈوت کیا اور پاس بیٹھ گیا۔ بھیڑ نے اشیرباد دی اور نہایت مسکین سی شکل بنا کر اپدیش دینا شروع کیا کہ بابا! یہ دنیا چند روزہ ہے، مایا کا جال ہے، یہ خونریزی اور گوشت خوری کی زندگی بھلے مانسوں کا کام نہیں، دشمن سے پریم کرو، اپنے آپ کو مارو، آتما کی شانتی اسی سے حاصل ہوگی:۔

ایکہ می نازی بذبح گوسفند ؛ ذبح کن خود را کہ باشی ارجمند
زندگی را می کند ناپائدار جبر و قہر و انتقام و اقتدار
غافل از خود شو اگر فرزانہ گر ز خود غافل نہ دیوانہ،
چشم بند و گوش بند ولب بہ بند تا رسد فکرِ تو بر چرخ بلند

گوسفند کی یہ خواب آور فسوں سازی کارگر ہوگئی، اور شیر اس کا چیلہ بن گیا۔ اب ہنسا کی جگہ اہنسا کا فلسفہ اس کی زندگی کا طرزِ عمل تھا۔ گوشت چھوڑ کر گھاس پات پر گذران ہونے لگی۔ وہ قوت و ہیبت، وہ تندی و تیزی، وہ جلال و جبروت، مسکینی و عاجزی، کمزوری و ناتوانی، بزدلی و دوں ہمتی میں بدل گئی۔ رفتہ رفتہ یہ حالت ہوگئی کہ:۔

از علف آں تیزئ دنداں نماند | ہیبت چشمِ شرر افشاں نماند
دل بتدریج از میانِ سینہ رفت | جوہرِ آئینہ از آئینہ رفت
آں جنونِ کوششِ کامل نماند | آں تقاضائے عمل در دل نماند
اقتدار و عزم و استقلال رفت | اعتبار و عزت و اقبال رفت
پنجہ ہائے آہنی بے زور شد | مردہ شد دلہا و تنہا گور شد
صد مرض پیدا شد از بے ہمتی | کوتہ دستی، بیدلی، دوں فطرتی

نتیجہ یہ کہ :- شیر بیدار از فسونِ میش خفت -
اور قیامت یہ کہ :- انحطاطِ خویش را تہذیب گفت -

ناصحانِ مشفق | یہ گوسفندی ناصحانِ مشفق پہلے پادریوں کی صورت میں جلوہ فرما ہوا کرتے تھے، انگلستان سے چلتے تو اپنے اسلحہ بنانے والے کارخانوں کو تاکید کر آتے کہ دیکھنا تمہاری بھٹیاں کہیں ٹھنڈی نہ پڑ جائیں۔ سولہ سولہ انچ دہانے کی توپیں، چار چار من کے گولے، ڈھلتے چلے جائیں، لیکن مشرق میں مسلمانوں کو مسیح کی منادی سنائی جاتی کہ خدا کی بادشاہت کمزوروں، ناتوانوں اور ضعیفوں کا حصہ ہے۔ افیون کھا کر سو رہو تاکہ ملوکیت کے شکنجے اچھی طرح سے تم پر کسے جائیں۔ وہ ان کو آسمانی بادشاہت کے خواب آور افسانے سناتے رہے حتیٰ کہ زمین کی بادشاہت یکسر دوسروں کے ہاتھ میں چلی گئی۔ وہ دور ختم ہوا تو وہی بھیڑ اب سادھو مہاتما کے چولے میں مسلمانوں کے سامنے اہنسا کا پرچار کرنے لگی۔ ڈاکٹر مونجے ملٹری کالج کھول رہے ہیں، بھائی پرمانند سنگھٹن کے اکھاڑے قائم کر رہے ہیں اور مہاتما گاندھی کا نازک دل انسانیت کے ظلم و ستم سے اس قدر متاثر ہو رہا ہے کہ سرحد کے پٹھانوں کو اہنسا کا سبق دینے جاتے ہیں :-

شکایت ہے مجھے یارب خداوندانِ مکتب سے

سبق شاہیں بچوں کو دے رہے ہیں خاکبازی کا

"پٹھان کا ہوّا" بھارت ماتا کے سر پر جن کی طرح سوار تھا۔ اس کے دفعیہ کا یہی موثر طریقہ سمجھا گیا کہ اپنے ہاں ملٹری کالج کھولے جائیں اور وہاں کے "خان" کو گاندھی بنا کر ہاتھ باندھ کر ڈنڈوت کرنا سکھایا جائے اس کے بعد جو جبری تعلیم رائج کی جائے، اس میں بچوں کے دلوں پر یہ نقش ثبت کیا جائے کہ اہنسا کا نظریۂ زندگی ہمیشہ ہنسا سے اچھا ہوتا ہے۔ یہی نہیں۔ ہنسا کی برائیاں اچھی طرح سے واضح کی جائیں اور تاریخ عالم سے اُن مشاہیر کی کہانیاں پڑھائی جائیں جنھوں نے اہنسا کے ذریعے سے دنیا میں امن حاصل کیا ہے، یعنی مہاتما بدھ کی سوانح حیات اجاگر کر کے دکھائی جائے اور محمد رسول اللہ صلعم کی زندگی (نعوذ باللہ) گھناؤنی بتائی جائے۔ ہندوستانی غلاموں کا دستورِ حیات درخشندہ نظر آئے اور عمرؓ و خالدؓ کا طرزِ عمل (خاکم بدہن) مردود قرار دیا جائے۔ ذرا تصور میں لائیے اس وقت کو کہ آپ کے بچے سات برس کی عمر سے چودہ برس کی عمر تک اس تعلیم کے لئے مجبور کئے جائیں گے جس کی رو سے نبی اکرمؐ سے لے کر شاہ اسمٰعیل شہیدؒ تک تمام مجاہدینِ اسلام کا فلسفۂ حیات نفرت انگیز ہوگا اور اس کے برعکس ہندوستان کے تمام یوگی، سنیاسی اور ان کے سرخیل مہاگاندھی خدا کے اوتار سمجھے جائیں گے۔ غور فرمائیے کہ نتیجہ کیا ہوگا؟ ہندو کی تو سلطنت ہوگی، اس لئے اس کے بچوں کو اہنسا پڑھائیے یا ہنسا، اس سے کچھ فرق نہیں پڑے گا، بلکہ اہنسا سے ان کے دلوں میں اپنے بزرگوں کی عزت، اپنے مذہب کی عظمت اور مسلمانوں کے مشاہیر سے نفرت اور ان کے مذہب سے حقارت کے جذبات پیدا ہوں گے۔ لیکن غور فرمائیے کہ مسلمان بچوں کی ذہنی اور قلبی کیفیت کیا سے کیا بن جائے گی؟۔

مہاتما جی کس قدر معصومانہ انداز سے فرماتے ہیں کہ موجودہ انداز پر مذہبی تعلیم سے چونکہ اختلافات بڑھتے ہیں، اس لئے مذہبی تعلیم کو واردھا اسکیم سے خارج کر دیا گیا ہے۔ لیکن ان سے کوئی پوچھے

کہ اہنسا کی خوبیاں اور ہمسا کی برائیاں بتانے سے کوئی اختلاف نہ پیدا ہوگا؟ اس "ہما تمیت" کے جھگڑے کو آنا رسے تو نیچے سے صاف نظر آجائے گا کہ مقصد اصلی کیا ہے؟ مقصد یہ ہے کہ مذہبِ اسلام کی تعلیم جبراً روک دی جائے اور اس کے بجائے ہندومت کی تعلیم عام کر دی جائے۔

اعترافِ حقیقت تنہا اہنسا اور اسلامی تعلیم میں اتنا کھلا ہوا فرق ہے کہ ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب پچھلے دنوں جب واردھا اسکیم کے سلسلہ میں شملہ تشریف لائے تو انھوں نے اسکیم کے متعلق صندل ہال میں تقریر فرمائی۔ تقریر کے بعد ایک پرائیوٹ صحبت میں اُن سے اہنسا اور اسلامی فلسفۂ حیات کے متعلق کچھ سوالات کئے گئے تو انھوں نے دو ہی قدم پر جا کر کھلے الفاظ میں اقرار کر لیا کہ فی الواقع یہ غلطی ہے۔ اسلام کا فلسفۂ زندگی صرف اہنسا نہیں بلکہ ہمسا اور اہنسا دونوں کا امتزاج ہے۔ اب پتہ نہیں کہ جناب ڈاکٹر صاحب اس غلطی کا اعلان بھی فرماتے ہیں یا نہیں لیکن ہم تو بالکل واضح الفاظ میں اعلان کر دینا چاہتے ہیں کہ اسلام نرمی اور انکساری کے ساتھ ساتھ سختی اور درشتی کا بھی مذہب ہے۔ یہ جلال اور جمال کا مذہب ہے۔ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ بھی اسی خدا کا حکم ہے جس کا حکم رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ ہے۔ فَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ (فتنہ پردازوں کو جہاں پاؤ کچل دو) بھی اسی خدا کا ارشاد ہے، جس کا ارشاد فَاعْفُوا وَاصْفَحُوا (معاف کرو اور درگذر کرو) ہے۔ مسلمان کو حکم ہے کہ:

مصافِ زندگی میں سیرتِ فولاد پیدا کر — شبستانِ محبت میں حریر و پرنیاں ہو جا

گذر جا بن کے سیلِ تند رُو کوہ و بیاباں سے — گلستاں راہ میں آئے تو جُوئے نغمہ خواں ہو جا

یہ ہے وہ تعلیم جو اُن بچوں کے شایانِ شان ہے جو تیغوں کے سائے میں پل کر جواں ہوتے ہیں۔ نہ کہ اہنسا کی خود فریبی۔ ہمیں اس سے بحث نہیں کہ ہندوستان میں مسلمان کی آج کیا حالت ہے۔ ہمیں تو اس سے غرض ہے کہ وہ مذہب جسے مسلمان خدا کا سچا مذہب سمجھتا ہے اس کی تعلیم کیا ہے۔

اب ذرا سماج کے علم کے ان دو ٹکڑوں کو ملائیے۔

(۱)، تمام مذاہب، اسلام اور ہندو مت۔ اصولی طور پر یکساں ہیں کسی کو دوسرے پر تفوق نہیں۔
(۲)، فلسفۂ زندگی کے اعتبار سے اہسا کو ہمسا پر فضیلت ہے۔

فرمائیے نتیجہ کیا نکلا؟ اس پر اعلان پر اعلان ہو رہا ہے کہ یہ سکیم مشترکہ تعلیم کی اسکیم ہے۔ اسے کسی مذہب کی تعلیم سے واسطہ نہیں۔ اللہ اکبر! کس قدر کھلا ہوا فریب!!

بنیادی نقش "سماج کے علم" کی ایک اور شق میں تحریر ہے کہ "تعلیم ایسی دی جائے جس سے بچے کے دل میں وطن کی محبت پیدا ہو۔ وہ ہندوستان کے پچھلے زمانہ کی عزت کرے" (رپورٹ ص۱۱۸)

بجا! مذہب کے اعتبار سے اسلام اور ہندو مت یکساں۔
فلسفۂ زندگی کے اعتبار سے اہسا کو ہمسا پر فوقیت۔

اس کے بعد، ہندو مذہب اور ہندو فلسفہ کا جس عہد میں زور تھا اس زمانے کی عزت بھی بچے کے دل میں بٹھا دی جائے۔

اس طرح متحدہ قومیت کی تشکیل ہوگی۔ الگ الگ مذہب کی تعلیم چونکہ لڑائی جھگڑے کا موجب ہوتی ہے اس لئے اہسا کے وِدیا مندر میں اس کا گذر کیوں ہو؟ ان جھگڑوں کے مٹانے کا واحد علاج یہ ہے کہ تعلیم ایسی دی جائے جس کی رو سے ہندو فلسفۂ زندگی کی عظمت اور ہندو دورِ تہذیب کی عزت دلوں میں نقش ہو جائے۔ اسلام کے فلسفۂ زندگی کی مذمت اور اس فلسفہ کے علمبرداروں کی طرف سے دل میں نفرت پیدا ہو جائے۔ جھگڑے خود بخود مٹ جائیں گے۔ جھگڑے تو اس وقت پیدا ہوتے ہیں جب ہندو سمجھتا ہے کہ اسلام اور مسلمان صفحۂ ہستی سے مٹا دینے کے لائق ہیں اور مسلمان ایسا سُن نہیں سکتا لیکن جب ہندو اور مسلمان دونوں بچے اس باب میں متفق اللسان ہوں گے کہ ہاں واقعی اسلام کا فلسفۂ حیات اور اس کے علمبردار انسانیت کے سب سے بڑے دشمن ہیں تو پھر جھگڑا کیسے پیدا ہوگا؟ جب سر ہی نہ رہے گا تو سر درد کہاں ہوگا؟۔

یہ ہے وہ "اندرونی روشنی" جو نوع انسانی کے اس "مصلح اعظم" کو براہِ راست "خدا" کی طرف سے ملتی ہے جس کے دل میں تمام مذاہب کے پیروؤں کے لئے "جذبہ ہمدردی" یکساں موجزن ہے! یہ اُس دیش کے مہاتما ہیں جس کے "ہیرو" کا سب سے بڑا کارنامہ یہ گنا یا جاتا ہے کہ جب وہ افضل خاں سے صلح و محبت کا معانقہ کرنے کے لئے آگے بڑھا تو ذیرِ آستین تیز، نوکدار، آہنیں، پنجہ چھپا رکھا تھا جو اس دوست سے بغلگیر ہونے پر اس کے قلب و جگر میں پیوست کر دیا گیا۔ اس دیش کے مہاتما سے آپ کس قسم کے سلوک کی توقع رکھ سکتے ہیں!۔

عاقبت گرگ زادہ گرگ شود گرچہ از آدمی بزرگ شود

جناب ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب نے تمہ کی اس پرائیوٹ صحبت میں جس کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے فرمایا تھا کہ "پچھلے زمانے" سے ان کی مراد صرف ہندوؤں کا زمانہ ہی نہیں بلکہ اس میں مسلمانوں کا زمانہ بھی شامل ہے لیکن جب یہ عرض کیا گیا کہ مسلمانوں کے زمانہ میں تو اہمسا کے علمبردار ہی نظر آئیں گے۔ اس زمانہ کی عزت بچے کے دل میں کیسے بٹھائی جائے گی؟ تو انھوں نے فرمایا کہ اس زمانہ کے صوفیائے کرام کی حالات بتائے جائیں گے جنھوں نے اہمسا کے مطابق زندگی بسر کی ہے۔

ہم اس وقت اس بحث میں الجھنا نہیں چاہتے کہ وہ حضرات جن پر حقیقی معنوں میں "اولیاء اللہ" کا لقب صادق ہوتا ہے، وقت آنے پر وہ کس طرح تسبیح و مصلّی کے ساتھ ساتھ شمشیر و سنان کو بھی عین اسلام سمجھتے تھے لیکن ہم صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کے اندر بھی خوبی صرف اسی چیز میں رہ گئی ہے جو ہندوؤں کے نظریۂ زندگی کے مطابق ہو۔ اسلام کا دوسرا حصہ یعنی مجاہدانہ حرارت کا شعبہ چونکہ اہمسا کے نظریہ کے مطابق نہیں ہے، اس لئے اس میں برائیاں ہی برائیاں ہیں۔ یہ ہے عملی تفسیر (تُؤْمِنُونَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ) کی یعنی قرآن کے اُتنے حصے پر ایمان جو اپنے نظریے کے مطابق ہو اور باقی حصہ سے انکار۔

بابِ سوم

زبان کا مسئلہ

اس کے بعد زبان کا مسئلہ آتا ہے۔ "ہندوستانی" زبان نصاب میں لازمی رکھی گئی ہے (رپورٹ ص ۱۲۳)
زبان کا مسئلہ اس قدر اہم ہے کہ اسے ضمنی طور پر چھیڑا نہیں جا سکتا۔ یہ مضمون بہت طویل ہو رہا ہے،
اس لئے ایسے اہم سوال پر ہم کسی دوسری صحبت میں مفصل بحث کریں گے۔ انشاء اللہ۔ مگر اتنا یاد رہے
کہ کسی قوم کی موت وحیات کا سوال اس قوم کی زبان اور اس کے رسم الخط سے وابستہ ہوتا ہے۔
مسلمان اس کی اہمیت سے ناواقف ہیں۔ اور ہندو چپکے ہی چپکے وہ سب کچھ کیے جا رہے ہیں کہ جب
اس کے نتیجہ پر نگاہ پہنچتی ہے تو روح کانپ اٹھتی ہے کہ یا اللہ مستقبل قریب میں مسلمانوں پر یہاں
کیا کچھ گذرنے والا ہے۔ اس وقت تو اتنا دیکھئے کہ ہندوؤں کی اس تحریک کا اثر کہ "ہندوستانی"
زبان سے عربی و فارسی کے "غیر مانوس" الفاظ کو نکال دینا چاہیئے کس قدر سرعت سے پھیلتا جا رہا ہے۔
رپورٹ زیرِ نظر میں انگریزی الفاظ تو جگہ جگہ آپ کو ملیں گے۔ مثلاً ٹریننگ، کورس، پالیسی، نارمل
ورنیکلر وغیرہ۔ لیکن عربی اور فارسی کے اُن الفاظ کے بجائے جنھیں سمجھنے میں کسی اردو داں کو بھی
دقت نہیں ہو سکتی، ایسے الفاظ ٹھونسے گئے ہیں جنھیں، نہ عبارت کی روانی قبول کرتی ہے، نہ مذاقِ
سلیم۔ حالانکہ بعض غیر عربی الفاظ بجائے خویش ایسے غیر مانوس استعمال کئے گئے کہ اردو داں طبقے
نے شاید ہی کبھی سنے ہوں۔ مثلاً۔ نئی سماج کا ڈول ڈالے جس کی نیو ہمدردی پر رکھی گئی ہو۔ پچھم کے
ملکوں میں۔ کسی مفید سیوا کے ذریعے۔ دھیرے دھیرے اتنی مشق ہو جائے۔ جس کی نیو . . . . .
نیائے پر رکھی جائے . . وغیرہ۔ کہیئے کہ طرح ڈالنا، بنیاد، مغرب، خدمت، آہستہ آہستہ، انصاف
ان میں کونسا لفظ ایسا ہے جو عام فہم نہیں؟ ان کی جگہ خواہ مخواہ "پوربیوں کی بولی" گھسیٹ لانا

اس بات کی کھلی کھلی غمازی کر رہا ہے کہ ہر بات میں ہندوؤں کی خوشنودی کا جذبہ کس قدر غالب آرہا ہے۔ یہ اگر "مرعوبیت" نہیں تو اور کیا ہے۔

بابِ چہارم

معاشرت

اب مقطع کا بند سنیئے۔ ارشاد ہے۔

"گانا۔ اس سے مقصد یہ ہے کہ بچوں کو اچھے گیت یاد ہو جائیں اور انہیں اچھے گانے کی پہچان اور شوق ہو جائے۔ بچوں میں تال کا جو قدرتی احساس ہوتا ہے اسے ترقی دینے کے لئے انہیں دونوں ہاتھوں سے تالی دینا سکھایا جائے" (صفحہ ۱۲۳)

آپ کو معلوم ہے کہ اچھے برے گانے کی پہچان کے لئے کس قدر راگ ودیا کی ضرورت ہوتی ہے، اور پھر سر تال سے سیکھنے کے لئے اور کیا کچھ سیکھنا پڑتا ہے۔ رقص و سرود ہندوؤں کی پرچین تہذیب کا ایک ضروری جزو ہے۔ ڈاکٹر ٹیگور کو آپ نے دیکھا ہوگا کہ وہ بایں ہمہ ریش و فش نوجوان لڑکیوں کو ساتھ لے کر شہر شہر ناچ اور گانے کا تماشا دکھاتے پھرتے تھے۔ اودے شنکر اور اس کی پارٹی رقص و سرود کے ذریعے "کرشن لیلا" کی یاد تازہ کرتے پھرتے ہیں۔ ہندو کنیا مہا ودیالوں میں راگ وغیرہ نصاب میں داخل ہے۔ لہٰذا اگر ہندو لڑکے اور لڑکیوں کے لئے راگ کا نصاب رکھا جائے تو انہیں عین مسرت ہوگی۔ لیکن سوال یہ ہے کہ چودہ برس کی عمر میں مسلمان لڑکیوں کو راگ اور تال سکھا کر کیا بنانا مقصود ہے؟ حضرت اکبر مرحوم نے فرمایا تھا کہ

تعلیم لڑکیوں کی ضروری تو ہے مگر — خاتونِ خانہ ہوں وہ سبھا کی پری نہ ہوں
دین دار متقی ہوں جو ہوں ان کو منصرم — استاد اچھے ہوں مگر استادجی نہ ہوں

مسلمانو! ذرا غور سے دیکھو کہ آزاد ہندوستان میں جبری تعلیم کی رو سے آپ کی بیٹیاں اور بہنیں کس قسم کی تعلیم حاصل کیا کریں گی؟

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آسکتا نہیں
محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی

نتائجِ مستخرجہ

علتِ مرض یہ ہے مختصراً وار دھا اسکیم جو مہاتما گاندھی کے مجلہ دماغ سے نکل کر جناب ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب کی مساعیِ جمیلہ کے صدقے مسلمانوں کے بچے اور بچیوں کے لئے جبری تعلیم کا نصاب بننے والی ہے۔ شملہ میں اسکیم پر آخری مرتبہ غور و خوض ہو چکا ہے۔ اور اس کے بعد یہ نافذ العمل ہو جائے گی۔ مسلمانوں نے دیگر اہم مسائل کی طرح تعلیمی مسائل میں بھی ہمیشہ بے رخی برتی ہے جس کا نتیجہ ان کے سامنے ہے۔ لیکن وہ یاد رکھیں کہ اگر انھوں نے اس مرتبہ بھی ایسا ہی کیا تو پچاس برس کے اندر وہ دیکھیں گے کہ ان کا ہندوستان میں وہی حشر ہوگا جو سپین میں ہوا تھا۔ اور پھر یہ ڈھونڈیں گے کہ وہ قوم کیا ہوئی جو اپنے آپ کو مسلمان کہا کرتی تھی۔ لیکن یہ سب باتیں فروعی ہیں۔ اصل نقص کہیں اور ہے۔ یہ تو یوں سمجھئے کہ یہاں پھوڑا نکل آیا۔ وہاں پھنسی ہو گئی۔ کہیں خارش نمودار ہو گئی۔ کہیں چنبل پھوٹ نکلا۔ یہ امراض نہیں ہیں بلکہ علاماتِ مرض ہیں۔ علتِ مرض یہ ہے کہ خون خراب ہو چکا ہے۔ ان پھوڑے پھنسیوں کا علاج مرہم سے نہیں ہوگا۔ خون صاف کر دینے سے ہوگا۔ یہ واردھا اسکیم، یہ مخلوط طریق انتخاب، یہ ہندی اردو کے جھگڑے، سب علاماتِ مرض ہیں۔ اصل مرض یہ ہے کہ ہندو ہندوستان میں "ایک متحدہ قومیت" بنانا چاہتے ہیں تاکہ مسلمان اپنی ملی خصوصیات کھو کر کانِ نمک میں پہنچ کر نمک بن جائیں۔ جب تک آپ اس بنیادی اصول کو پاش پاش کر کے نہ رکھ دیں گے آپ کے کسی مرض کا علاج نہیں ہو سکتا۔ مسلمان ہندوستان میں ایک الگ قوم کی حیثیت سے

رہے گا۔ اس کی الگ جماعتی زندگی ہوگی۔ اور جب قوم الگ ہوگی تو پھر اس کی زبان بھی اپنی ہوگی۔ تہذیب بھی الگ ہوگی۔ مذہب بھی الگ ہوگا اور تعلیم بھی الگ ہوگی۔ نہ ان کی مشترکہ قومیت ہوسکتی ہے اور نہ مشترکہ تعلیم۔ ہندوؤں سے کہئے کہ وہ اپنے بچوں کے لئے تعلیمی اسکیمیں تیار کرتے رہیں۔ انہیں کیا حق حاصل ہے کہ مسلمان بچوں کے لئے تعلیمی تجاویز سوچتے پھریں، اور پھر ان پر انہیں جبرًا عائد کردیں، اور اس طرح جو کام سوامی شردھانند نے اٹھایا تھا اور جو پروان نہ چڑھ سکا اسے مہاتما گاندھی پورا کردیں۔

ہمارے بھی ہیں مہرباں کیسے کیسے

ہمیں یقین ہے کہ مسلمانوں کے لئے جو مہلک اثرات اس اسکیم کے اندر چھپا کر رکھے گئے ہیں، ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب کی نگاہوں کے سامنے وہ بے نقاب ہوکر نہیں آئے اور انھوں نے اس کو محض سطحی اور عمومی نظر سے دیکھا ہے، ورنہ یہ باور کرنے کو جی ہی نہیں چاہتا کہ جناب ڈاکٹر صاحب دیدہ و دانستہ ہندوؤں کی چھری سے یوں مسلمانوں کے بچوں کو اپنے ہاتھوں سے ذبح کرنے پر تلے بیٹھے ہوں۔ خدا کرے کہ اس اسکیم کے ساتھ ان کی تائید غلط فہمی پر مبنی ہو، اور جس طرح انھوں نے شملہ میں اہمسا کے متعلق اپنی غلطی کو تسلیم کیا تھا، اسی طرح وہ باقی اسکیم کے متعلق تفصیلات بالا کی روشنی میں غور فرما کر اس سے اپنی بریت کا اعلان فرمادیں۔ ورنہ ظاہر ہے کہ اس اسکیم کا ان کے نام سے انتساب ملتِ اسلامیہ کا قتل نہیں تو اعانتِ قتل کے جرم سے انہیں کبھی بری نہیں قرار دے سکے گا۔

(تکملہ) یہ مضمون پریس میں جاچکا تھا کہ مہاتما گاندھی کا ذیل کا بیان اخبارات میں شایع ہوا۔

"مختلف طبقات و مذاہب کے بچوں میں رواداری اور دوستی کی جو روح پیدا ہو رہی ہے میں اس کے پیش نظر اس بات کو سخت مہلک اور خطرناک سمجھتا ہوں کہ ان کو یہ سکھایا جائے کہ ان کا مذہب دیگر تمام مذاہب پر برتری رکھتا ہے یا جس مذہب کے وہ قائل ہیں ان کے نزدیک بس وہی مذہب سچا ہے۔ اگر یہ تفرقہ انگیز روح قوم میں سرایت کرگئی تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ ہر فرقہ کا علحدٰہ

اسکول ہو جس میں ہر ایک کو دوسرے کی مذمت کرنے کی پوری آزادی حاصل ہو۔ یا پھر ایسی درسگاہوں میں مذہب کے تذکرہ کو بالکل ہی ممنوع قرار دیا جائے (اسٹیسمین ۷، جولائی ۱۹۳۸ء صنا کالم ۲) (نیز ہندوستان ٹائمز، ۱۰ جولائی ۳۸ء)

دیکھ لیجئے جس چیز کی طرف ہم نے اپنے مضمون میں اشارہ کیا تھا وہ لفظاً لفظاً سامنے آگئی یا نہیں! اور ابھی، آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا! جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں مہاتما گاندھی کا مسلک شیر کا مسلک نہیں جو بے نقاب گرجتا پھرتا سامنے آجائے، بلکہ ان کا مسلک ہمیشہ گھات میں رہنے کا ہے، اور مسلمانوں کی تباہی کے معاملات میں تو وہ خاص طور پر شاطرانہ چالوں سے کام لیتے ہیں۔

پھر یہ بھی دیکھ لیجئے کہ جو کچھ مہاتما جی چاہتے ہیں وہ لفظاً لفظاً وہی ہے جو مولانا آزاد نے اپنی تفسیر میں پہلے ہی سے لکھ رکھا ہے اور اس طرح مہاتما گاندھی کے مقصد کے حصول کے لئے پہلے ہی سے زمین تیار کر کے چھوڑی ہے۔

اندازہ فرمائیے کہ جب مسلمان بچوں کو یہ سمجھا دیا جائے گا کہ دیگر مذاہب بھی اسلام کی طرح سچے اور خدائی مذہب ہیں تو پھر اسلامی قوانین کی حفاظت، اسلامی تمدن و تہذیب کی حفاظت اور اسلامی حقوق کی حفاظت کا سوال ہی پیدا نہ ہوگا۔ اگر صحابہ کرامؓ کو مذہب کا یہ فلسفہ معلوم ہوتا، اگر خالد بن ولیدؓ، عمرو بن العاصؓ اور سلطان صلاح الدین کو اپنے زمانہ میں کوئی گاندھی مل جاتا تو آج اسلام کا نقشہ ہی کچھ اور ہوتا۔ یعنی سرے سے اسلام کا وجود ہی نہ ہوتا اور مسلمان بہت جلد اس کیمیاوی عمل سے تحلیل ہو کر فنا ہو جاتا۔ لیکن مہاتما گاندھی یا اور ہندوؤں کا کیا گلہ؟ ان کو تو مسلمانوں سے انتقام لینا ہے اور اس کے لئے وہ ہر حربہ استعمال کریں گے۔ رونا تو آتا ہے ان مسلمان اکابر پر جو ان کے مقاصد کے حصول میں اس قدر "جہادِ عظیم" میں مصروف ہیں۔ از باغباں شد است کہ صیاد نہ آں کرد۔